22

قوموں کے تنزل کے اسباب

(فرمودہ ۲۵ جون ۱۹۲۶ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

مسلمان اپنی نمازوں اور دعاؤں میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم مانگتے رہتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ وہ اپنے رب سے یہ درخواست نہ کرتے ہوں کہ ہمیں صراط مستقیم دکھا لیکن باوجود اس کے کہ وہ روزانہ بلکہ پنج وقتہ بلکہ بعض لوگ اس سے بھی زیادہ صراط مستقیم کے لئے دعا کرتے ہیں۔ پھر بھی خدائی فعل یہ ثابت کر رہا ہے کہ ان کے معاملات الٹے جا رہے ہیں۔ خواہش تو وہ کرتے ہیں سیدھے راستہ کی لیکن دکھایا جاتا ہے ان کو ٹیڑھا راستہ۔ جتنی گریہ و زاری وہ کرتے ہیں کہ ہمیں صحیح راستہ دکھا اتنا ہی ان کا قدم جادہ اعتدال سے ادھر ادھر پڑتا ہے۔ لیکن وہ قومیں جو خدا سے صراط مستقیم مانگتی نہیں اور اس پر انہیں کئی کئی دن ہی نہیں بلکہ ہفتے گذر جاتے ہیں بلکہ مہینے گذر جاتے ہیں بلکہ سال گذر جاتے ہیں بلکہ عمریں گذر جاتی ہیں کہ وہ ایک دن بھی سیدھے راستے کے لئے درخواست نہیں کرتیں بلکہ کئی ان قوموں میں ایسے ہیں جو اس بات کو ہی عبث سمجھتے ہیں اور کئی ایسے ہیں جو ایسا کرنے والوں سے ٹھٹھا کرتے اور ان کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ان قوموں کے قدم ترقی کی طرف جا رہے ہیں۔ کامیابیاں انہیں میسر آ رہی ہیں۔ فتح مندیاں ان کو حاصل ہو رہی ہیں۔ وہ دعائیں بالکل ترک کر بیٹھے ہیں بلکہ دعائیں کرنے کو ہی عبث بیہودہ اور لغو سمجھتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ وہ کامیاب ہو رہے ہیں لیکن مسلمان ہیں کہ باوجود اس کے کہ دعائیں کرتے ہیں اور بعض تو ان میں سے کثرت سے کرتے ہیں مگر پھر بھی تباہ ہو رہے ہیں۔ اس سے انسان یا تو یہ گمان کر سکتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی قوتیں اب زائل ہو گئی ہیں کہ پہلے وہ سنتا تھا مگر اب نہیں سنتا یا پھر یہ کہ نعوذ باللہ وہ ایک چڑچڑے راجہ یا نواب کی طرح ہو گیا ہے کہ آئے دن کی دعاؤں

سے تنگ آکر ان کے لئے الٹی بات کرتا ہے۔ یا پھر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی دعاؤں میں ہی نقص ہے یا یہ کہ دعائیں تو وہ کرتے ہیں لیکن اس یقین اور ایمان کے ساتھ نہیں کرتے۔ جو دعائیں مانگنے کے لئے ہونا چاہئے۔ ایک ایسا شخص جو خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ دعائیں قبول کرتا ہے بشرطیکہ پورے شرائط اور آداب سے کی جائیں وہ نہ تو یہ مان سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی قوتیں اب زائل ہو گئی ہیں اور نہ ہی اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ وہ اب چڑچڑے راجہ یا نواب کی طرح ہو گیا ہے کہ لوگ تو سیدھے راستہ کی درخواست کریں اور وہ ان کو چڑچڑاہٹ سے الٹا راستہ دکھائے۔ یا یہ کہ وہ لوگوں کی آئے دن کی درخواستوں سے ایسا اکتا گیا ہو کہ جیسے اکتائے ہوئے لوگ کہتے ہیں۔ کیا دماغ چاٹ کھایا ہے۔ وہ بھی ان کی درخواستوں پر یہ کہہ دے کیونکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ پس اب دو ہی باتیں باقی رہ جاتی ہیں کہ یا تو دعا میں کوئی نقص ہے یا پھر یہ کہ دعا کے ساتھ جو شروط ہوتی ہیں وہ پوری نہیں کی جاتیں۔

دعا میں نقص کے یہ معنے ہوا کرتے ہیں کہ انسان کو یقین اور ایمان نہیں ہوتا کہ دعائیں قبول ہوتی ہیں یا خدا تعالیٰ دعائیں سنتا ہے۔ پھر عجز و انکسار کا دعا کے ساتھ نہ ہونا بھی دعا میں نقص پیدا کر دیتا ہے۔ پھر اگر استقلال نہیں اور ایک وقت میں دعا کرکے یہ سمجھ کر اسے چھوڑ دیا جائے کہ اگر قبول ہونی ہوتی تو ہو جاتی تو یہ بھی نقص ہے۔ بعض اوقات اصرار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر ایک شخص اصرار کے ساتھ دعا نہیں کرتا تو اس کی دعا بھی نقص سے خالی نہیں ہو سکتی۔ جب تک دعا کو ان نقائص سے پاک نہیں کیا جاتا اور جب تک یہ باتیں اس کے ساتھ نہ ہوں اور دعا کرتے وقت ان کا خیال نہ رکھا جائے۔ دعا دعا نہیں کہلا سکتی۔

جب تک یہ ایمان نہ ہو کہ خدا ہے اور وہ سنتا ہے اور جب تک یہ یقین اور امید نہ ہو کہ وہ میری بھی سنے گا۔ جب تک غرور اور کبر دور نہ ہو۔ کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ غرور اور کبر کیا ہے؟ یہی کہ انسان کہے اگر خدا دعا نہیں سنتا تو نہ سنے۔ یا یہ کہ اگر وہ نہیں سنتا تو ہم بھی نہیں سناتے۔ لفظاً" تو یہ نہیں کہا جاتا لیکن عملاً" ایسا ہی کیا جاتا ہے جبکہ دعا مانگ کر چھوڑ دی جاتی ہے۔ یہ طریق متکبرانہ ہے۔ اس طرح جو دعا مانگی جائے وہ قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ گستاخی ہے کہ دعا مانگی تو جائے مگر متکبرانہ۔ جیسے کوئی کسی کو حکم دیتا ہے کہ یہ کام کر دو یا جیسے ایک افسر اپنے ماتحت سے کوئی بات کہتا ہے۔ پھر عجز و انکسار ہے۔ ایک شخص دعا تو مانگتا ہے اسے یہ ایمان بھی ہے کہ خدا ہے اور سنتا بھی ہے۔ اسے یہ یقین اور امید بھی ہے کہ وہ میری دعا بھی سنے گا۔ اس کی دعا کے ساتھ کبر و غرور بھی

نہیں ہوتا۔ لیکن اس کی دعا کے ساتھ عجزوانکسار بھی نہیں ہوتا تو ایسی دعا بھی نہیں سنی جاتی جس کے ساتھ عجزوانکسار نہ ہو۔ پھر اگر عجزوانکسار ہو لیکن دعا میں اصرار نہ ہو تو بھی دعا قبول ہونے سے رہ جاتی ہے۔ ایسا شخص دعا تو مانگتا ہے مگر ایک دفعہ اور جب دیکھتا ہے کہ اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو پھر اسے مانگنا چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ بعض وقت خدا تعالیٰ اس کو دیتا ہے جو اس طرح مانگتا ہے کہ اگر وہ ساری عمر بھی نہ دے تو یہ ساری عمر ہی مانگتا چلا جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ خدا تعالیٰ منع کر دے کہ ایسی دعا نہ مانگو۔ جو شخص اس طرح اصرار کے ساتھ دعا مانگتا ہے اسی کو ملتا ہے۔ پس اصرار ایک ایسی چیز ہے کہ دعا کے لئے ضروری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے۔ گداگر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک نرگدا اور دوسرے خرگدا۔ نرگدا وہ ہوتا ہے جو کسی کے دروازے پر جاکر آواز دیتا ہے کچھ دو اور کسی نے کچھ ڈال دیا تو لے لیا نہیں تو دو تین آوازیں دے کر آگے چلے گئے۔ مگر خرگدا وہ ہوتا ہے کہ جب تک نہ ملے ٹلتا نہیں۔ اس قسم کے گداگر لئے بغیر پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ اور ایسے گداگر بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس بھی آکر ایک شخص بیٹھا کرتا تھا وہ نہیں اٹھتا تھا جب تک کچھ لے نہ لیتا تھا وہ بیٹھا رہتا تھا جب تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر نہ نکلتے اور اسے کچھ دے نہ دیتے۔ پھر بعض وقت وہ رقم مقرر کر دیتا کہ اتنی لینی ہے اور اگر حضرت صاحب اس سے کم دیتے تو وہ اسے ہرگز نہ لیتا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ مہمان اسے اتنی رقم پوری کر دیتے تھے کہ چلا جائے۔ میں نے دیکھا اگر اس کے منہ سے کوئی رقم نکل گئی کہ یہ لینی ہے اور وہ پوری نہ ہوتی تو وہ جاتا نہ تھا جب تک رقم پوری نہ کر دی جاتی۔ اور اگر حضرت صاحب بیمار ہوتے تو تب تک نہ جاتا جب تک صحت یاب ہو کر آپ باہر تشریف نہ لاتے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے دعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان خرگدا بنے اور مانگتا چلا جائے اور خدا کے حضور دھونی رما کے بیٹھ جائے اور ٹلے نہیں جب تک کہ خدا کا فعل یہ ثابت نہ کر دے کہ اب اس کے متعلق دعا نہ کی جائے۔

خدا کا وہ فعل جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کے متعلق دعا نہیں کرنی چاہئے۔ کئی طرح پر ظاہر ہوتا ہے مثلاً" یہی کہ ایک شخص کی بیوی حاملہ ہے۔ اسے لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اب وہ اس حمل کے متعلق دعا نہیں کر سکتا کہ اے خدا تو اس حمل سے لڑکا پیدا کر۔ ہاں وہ اگلے حمل کے لئے دعا کر سکتا ہے کہ اس میں لڑکا پیدا ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے فعل نے یہ ثابت کر دیا کہ اب اس حمل کے

لئے دعا کرنا فضول ہے۔ یا یہ کہ خدا کی منشاء کچھ اور ہے۔ اگر ایک شخص پر کوئی بات کھول دی جائے کہ خداتعالیٰ کی منشاء فلاں امر کے متعلق یہ نہیں۔ تو پھر اس کے متعلق دعا نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر پھر بھی اس کے متعلق دعا کی جائے گی تو بے ادبی ہوگی۔ لیکن اگر اس دعا میں کوئی نقص نہ ہو گا اگر اس کے شرائط پورے کئے جائیں گے۔ اگر اس کے ساتھ ایمان یقین اور امید ہوگی تو وہ قبول ہوگی۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان ان تدابیر کو بھی نہ چھوڑے جو انسانی اختیار میں ہیں۔ غرض وہ سب باتوں کو پورا کرتا ہوا دعا مانگتا چلا جائے اور چھوڑے نہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے چھوڑنے کا حکم نہ ہو جائے۔ اسی طرح دعاؤں کے ساتھ تدابیر بھی اختیار کرے اور تدابیر کو بھی اس وقت تک نہ چھوڑے جب تک خداتعالیٰ حکم نہ دے دے کہ اب تمہیں کوئی تدبیر نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ بعض وقت خداتعالیٰ اظہار قدرت کے لئے اپنے بعض بندوں کے ساتھ اس قسم کے سلوک کرتا ہے کہ انہیں تدابیر سے روک دیتا ہے۔ تو تدابیر کا دعا کے ساتھ ساتھ ہونا از حد ضروری ہے اور جو شخص ان کو چھوڑتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے ایسے شخص کی دعا اس کے منہ پر ماری جاتی ہے کیونکہ دعا کے ساتھ تدابیر کا اختیار نہ کرنا خدا کا قانون توڑنا اور اللہ تعالیٰ کا امتحان لینا ہے اور خداتعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ بندے اس کا امتحان لیں۔

یہ تو میں نہیں کہتا کہ مسلمان دعائیں نہیں کرتے۔ اگرچہ دعائیں کرنے والے ان میں کم ہیں مگر جو بھی دعائیں کرتے ہیں ان کی دعاؤں کا قبول نہ ہونا اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یا تو دعا کے متعلق ان کے یقین میں کمی ہے یا ان کے ایمان میں کمی ہے یا ان کے استقلال اور اصرار میں کمی واقع ہوگئی ہے یا جو تدابیر وہ کرتے ہیں ان میں نقص ہے یا جو تدابیر اس دعا کے لحاظ سے مقرر ہیں ان کے اختیار کرنے اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی نقص ہے۔ اور جب ایک شخص اس ساری کیفیت پر غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ایمان میں بھی کمی آگئی ہے مسلمانوں کے یقین اور امید میں بھی کمی آگئی ہے۔ مسلمانوں کے عجزوانکسار میں بھی کمی آگئی ہے۔ مسلمانوں کے استقلال اور اصرار میں بھی کمی آگئی ہے اور ان شروط کے پورا کرنے میں بھی کمی آگئی ہے۔ جو دعا کے لئے ضروری ہیں۔ اور ان تدابیر کے اختیار کرنے میں بھی کمی آگئی ہے جو دعا کے ساتھ اختیار کرنی ضروری ہیں۔

ان لوگوں کا خدا پر ایمان نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ یہ موٹی بات ایک غیر احمدی کی سمجھ میں آنی تو

مشکل ہے کہ وہ جب تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائیں گے تب تک خدا تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں لا سکیں گے۔ لیکن ایک احمدی اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ماموروں کو مان کر ہی انسان کو خدا پر حقیقی ایمان پیدا ہوتا ہے۔ دیکھو جو شخص آم کو خربوزہ کہے۔ یا خربوزہ کو انجیر بتائے۔ اس کے متعلق ہم کہیں گے کہ اسے نہ آم اور خربوزہ میں تمیز ہے اور نہ خربوزہ اور انجیر کی شناخت حاصل ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا تعالیٰ کے کسی راستباز کو دیکھ کر یہ کہے یہ سچا نہیں یا کسی نبی کے متعلق کہے یہ نبی نہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اسے انبیاء کی شناخت نہیں اور اسے تھوڑا بہت ایمان جو خدا تعالیٰ پر ہے۔ وہ اسے ورثہ میں ملا ہے۔ پھر مسلمانوں میں ایمان اور یقین کا نہ ہونا اس بات سے بھی ثابت ہے کہ انہوں نے مسٹر گاندھی کو جو ایک بت پرست اور مشرک انسان ہیں کبھی تو ولی کہا۔ کبھی مجدد قرار دیا۔ کبھی امام بتایا اور کبھی روحانیت میں سب سے بڑھا ہوا کہا۔ جو اس بات کا ثبوت تھا کہ جس طرح ایک شخص کو آم اور خربوزہ میں شناخت نہیں یا خربوزہ اور انجیر میں تمیز نہیں۔ اسی طرح ان کو سچے اور جھوٹے میں فرق معلوم نہیں۔ مامور اور غیر مامور میں امتیاز حاصل نہیں۔ اگر مسلمانوں کو یہ یقین ہوتا کہ سچی روحانیت آنحضرت ﷺ کے متبعین کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر مسلمانوں کے اندر یہ یقین ہوتا کہ اگر کوئی اسلام سے ایک انچ بھی ادھر ادھر ہو جائے تو وہ روحانیت سے کاٹا جاتا ہے تو وہ ایسے آدمی کو اسلام کی مدد کے لئے کھڑا نہ سمجھتے جو اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور اس کی روحانیت کے قائل نہ ہوتے۔

مگر باوجود اس کے کہ مسٹر گاندھی ایک مشرک ہیں مگر مسلمان لیڈر اور علماء انہیں اپنا راہ نما سمجھ کر بڑے ادب سے ان کے سامنے بیٹھتے۔ پھر یہاں تک ہی نہیں وہ ان کے پیروں پر بھی پڑ جاتے اور کہتے سب کچھ آپ ہی ہیں۔ حالانکہ رسول کریم ﷺ کے پاؤں پڑنا بھی جائز نہیں۔ مگر مسلمان اس مشرک کے پاؤں پڑتے رہے۔ ہم کہتے ہیں آج اگر رسول کریم ﷺ بھی زندہ ہوتے تو ہم ان کے بھی پاؤں نہ پڑتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کے پاؤں پڑنا جائز نہیں۔ اور کسی کے آگے سجدہ کرنا درست نہیں۔ پھر ایک وقت تھا کہ یہ لوگ کہتے تھے کہ مسٹر گاندھی اس زمانے کے لئے خدا کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے اور علی الاعلان کہتے تھے کہ یہ امام ہے مجدد ہے مصلح ہے مگر آخر خدا کے کوڑوں سے چلاتے ہوئے مسٹر گاندھی کو انہوں نے چھوڑا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا ہے مسلمانوں کے تنزل کا باعث مسیح کو آسمان پر چڑھانا اور آنحضرت ﷺ کو زمین کے نیچے مدفون بتانا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ دیکھ کر کہ

مسلمان خود مسیحؑ کو آسمان پر چڑھا رہے ہیں۔ عیسائیوں کو اوپر چڑھایا اور اس وجہ سے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو انہوں نے زیر زمین بتایا۔ ان کو نیچا دکھایا۔ محمد رسول اللہ ﷺ مسیح سے افضل ہیں اور ہر شان میں افضل ہیں۔ بہرحال آپ تو اونچے ہی ہیں۔ مگر مسلمانوں نے آپ کو نیچا کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود نیچے ہو گئے اور عیسائی ان سے اونچے ہو گئے۔

پھر جب مسلمانوں نے مسٹر گاندھی کو اونچا چڑھایا۔ تو میں نے اس وقت یہ کہا کہ پہلے عیسیٰ کو آسمان پر چڑھانے سے مسلمانوں کو سزا ملی تھی کہ عیسائی ان پر قابض ہو گئے۔ اب مسٹر گاندھی کو اونچا چڑھانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہندو مسلمانوں کے سر چڑھ جائیں گے۔ جب میں نے یہ کہا تو لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ بلکہ مسلمانوں نے تو اس بناء پر مجھے گالیاں بھی دیں اور کہا تم کیوں ایسا کہتے ہو۔ پھر یہ بات ان لوگوں تک ہی نہ رہی بلکہ بعض کمزور احمدیوں میں سے کہتے تھے کہ اس قسم کی باتیں کہنے میں ہمیں جلدی نہیں کرنی چاہئے ہمیں اس معاملہ میں سوچ لینے دو۔ پھر بعض ایسے بھی تھے جو میرے پاس آتے اور عجیب طریق پر کہتے کہ بس اب تھوڑے دنوں تک مسٹر گاندھی کی حکومت ہو جائے گی اور ہم پس جائیں گے۔ یہ لوگ اس وقت ہمیں کھا جائیں گے مگر میں نے ان سے یہی کہا کہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو صرف یہی کہ مسلمانوں پر ہندوؤں کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ جو شخص خدا کے مامور کو نیچے گرائے گا وہ نیچے ہی گرے گا اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ مسلمانوں نے خدا کے مامور کو چھوڑا بلکہ اسے گرانے کی کوشش کی اور ایک مشرک اور بت پرست کی طرف گئے اور اسے بلند کرنا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان پر اس قوم کا غلبہ ہو جائے گا جس کا وہ بت پرست انسان ایک فرد ہے۔

یہ وہ بات تھی جو آج سے چھ سال پہلے میں نے کہی تھی اور آج بعینہٖ پوری ہو رہی ہے۔ آج ایک طرف مسلمان مسٹر گاندھی کو خفت کے ساتھ چھوڑ کر پیچھے آ رہے ہیں۔ اور دوسری طرف مسٹر گاندھی کی قوم ان سے جو سلوک کر رہی ہے وہ ظاہر ہے۔ ہندو جا بجا مسلمانوں کو مار رہے ہیں اور انہیں ہر طرح نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مسلمان مار کھا کر نقصان اٹھا کر شور مچاتے ہیں۔ مگر ہندو خود ہی مارتے ہیں اور خود ہی شور مچاتے ہیں۔ ان کے شور ڈالنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مار تو لیا اب ان کو دوسری طرح بھی نقصان پہنچائیں۔ مسلمان بھی شور مچاتے ہیں۔ لیکن ان کے شور مچانے سے نہ کچھ بنتا ہے اور نہ بنے گا۔ جب تک وہ یہ مانتے رہیں گے کہ دنیا کی اصلاح کے لئے کوئی مصلح ہندوؤں میں سے آ سکتا ہے یا عیسائیوں میں سے آ سکتا ہے۔ جب تک مسلمان یہ مانتے رہیں گے کہ ہندوؤں اور عیسائیوں میں سے مصلح آ سکتا ہے تب تک وہ اسی حالت میں رہیں گے۔ اور ان کا یہ تنزل دن بدن

بڑھے گا ہی کم نہیں ہو گا۔ ہاں جس دن وہ یہ سمجھیں گے کہ اب صرف امت محمدیہ سے ہی مصلح آسکتا ہے اس دن ہو سکتا ہے کہ ان سے تکلیفیں دور ہوں اور اس ذلت سے نکلیں۔ بہرحال حالات نے بتا دیا کہ یہ لوگ خود تنزل کی طرف جا رہے ہیں اور یہ جو ہم نے کہا تھا کہ جو لوگ خدا کے مامور کو چھوڑ کر مسٹر گاندھی کے ساتھ ہو رہے ہیں وہ غلطی کر رہے ہیں اور ان کو اس غلطی کی سزا بھگتنی پڑے گی یہ بالکل درست تھا۔ کیونکہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان سخت معتوب ہو رہے ہیں۔

باقی رہی امید یہ بھی مسلمانوں میں نہیں جن قوموں میں امید ہوا کرتی ہے وہ خودکشی پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ لیکن مسلمان برابر خودکشی کی طرف جا رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خدا تعالیٰ پر امید نہیں رہی۔ جب بھی کوئی طریق اختیار کرتے ہیں تو یہ کہ ہم اگر نہ لیں گے تو دوسروں کو بھی نہ لینے دیں گے۔ یہ وہ اس لئے کہتے ہیں کہ انہیں امید نہیں ہوتی کہ انہیں کچھ مل سکتا ہے یا خدا تعالیٰ میں یہ طاقت ہے کہ کچھ دے سکے۔ چونکہ انہیں خود امید نہیں ہوتی اس لئے وہ اپنے آپ کو پہلے ہی محروم سمجھ لیتے ہیں۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہمیں تو کچھ ملنا نہیں یہ کہہ دیتے ہیں کہ اوروں کو بھی نہ لینے دیں گے۔ تو امید کا پہلو بھی ان سے جاتا رہا اور اس وجہ سے یہ سمجھتے ہی نہیں کہ ان کے لئے خدا کچھ کرے گا۔ ان میں سے بیسیوں مصنف بیسیوں تعلیم یافتہ اور بیسیوں عقلمند لوگ مجھے ملے ہیں جو میری باتوں کو سن کر حیرت سے کہتے ہیں کہ کیا آپ کو یقین اور امید ہے کہ مسلمان پھر اٹھیں گے۔ کیونکہ ان کے لئے یہ ناممکن ہے۔ جب ان کو امید ہی نہیں تو وہ مسلمانوں کے ابھرنے اور ترقی کرنے کی دعا کیسے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ دعا امید کے بغیر ہو نہیں سکتی۔ پس مسلمانوں میں یہ امید بھی اب نہیں رہی کہ وہ پھر اٹھ سکتے ہیں یا خدا ان کے لئے کچھ کر سکتا ہے۔

پھر عجز و انکسار بھی اگر ان میں ہوتا تو بھی وہ ذلیل نہ ہوتے مگر باوجود گر جانے کے بھی سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہیں اور یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ حالانکہ آج تک وہ نہ کچھ کر سکے ہیں اور نہ اب کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں عجز و انکسار ہی نہیں۔ اس عجز و انکسار کے نہ ہونے سے ایک طرف تو وہ کام کرنے سے گئے کیونکہ وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم بڑے ہیں ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری طرف وہ خدا کے آگے جھکنے سے رہے کیونکہ ان کو خیال ہے کہ خدا کے آگے جھکنا کوئی فائدہ مند بات نہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہونا ہے وہ ہمارے زور بازو سے ہونا ہے۔ عجز و انکسار کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں کبر و غرور ہے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ کبر اور غرور کے ساتھ جو دعا کی جائے وہ قبول ہو۔ اول تو کبر و غرور دعا کی طرف آنے ہی نہیں دیتا اور اگر کوئی ادھر

آ بھی جائے تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ دعا وہی قبول ہوتی ہے جو عجز وانکسار سے کی جاتی ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں میں عجز وانکسار نہیں ہوتا اس لئے وہ دنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتے۔ سکھ اور عیسائی ہندوؤں سے تعلقات رکھتے ہیں کیونکہ ان کے کاموں میں عجز وانکسار ہوتا ہے۔ ان کی کامیابی کی ایک وجہ عجز وانکسار بھی ہے۔ ایک ہندو ہمیشہ عاجزی اور انکساری سے کام لیتا ہے لیکن ایک مسلمان ہمیشہ خود پسندی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ کم عجز وانکسار سے پیش آتا ہے۔ یہی رنگ اس کی دعاؤں میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ بندے تو بندے وہ خدا کے حضور بھی عاجزی نہیں کرتا اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہر میدان میں اور ہر کام میں ناکام ہو رہا ہے۔

مسلمان جن کا شعار تھا دعا کرنا اور نہایت عجز وانکسار کے ساتھ دعا کرنا وہ اول تو دعائیں کرتے نہیں اور اگر کرتے ہیں تو اس رنگ اور اس انداز میں کہ وہ دعائیں کہلا نہیں سکتیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ قبول ہوں۔ وہ ان کے منہ پر ماری جاتی ہیں لیکن غیر مذاہب والے جو مذہب کے لحاظ سے مردہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ وہ دعائیں کرتے ہیں اور بڑی عاجزی و انکساری سے کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو دیکھ لو ان میں بادشاہ اور امراء تک بھی دعائیں کرتے ہیں اور بڑے عجز وانکسار سے کرتے ہیں۔ گرجا کے دن غریب بھی گرجا میں جاتے ہیں اور امیر بھی حتیٰ کہ بادشاہ بھی لیکن مسلمانوں کی مسجدوں کا یہ حال ہے کہ ان میں اول تو امراء آتے ہی نہیں اور جو آتے ہیں تو شاذونادر۔ اور وہ بھی عید کے دن یا پھر کبھی کبھی جمعہ کے روز۔ غرض عیسائیوں کا ہر خوردوکلاں دعائیں کرتا ہے اور عجز وانکسار کے ساتھ کرتا ہے۔ یہی حال ہندوؤں کا ہے۔ ہندوؤں میں بھی عجز وانکسار بہت زیادہ ہے اور اس عجز وانکسار کا رنگ دعاؤں میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

مہاراجہ دربھنگہ کے متعلق بتایا گیا کہ جب دہلی میں بادشاہ کی رسم تاج پوشی کے متعلق جلسہ ہوا تو جہاں اور لوگ سیر و تفریح کے کاموں میں اپنے اوقات گذارتے تھے وہاں مہاراجہ دربھنگہ باقاعدہ عبادت کرتے۔ ایسے موقعہ پر عبادت میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر انہوں نے ایسا انتظام کیا ہوا تھا کہ ہرگز کمی اور نقص نہ واقع ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے کیمپ میں عبادت کا سامان کیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ عبادت کر رہے تھے اور ان کے پیچھے انگیٹھی جل رہی تھی۔ چونکہ وہ نہایت مشغولیت سے عبادت کر رہے تھے۔ اس لئے انہیں اس بات کا خیال نہ رہا کہ پیچھے انگیٹھی جل رہی ہے۔ اور اس محویت میں ان کی پیٹھ جل گئی۔ یہ واقعہ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے بیان کیا۔ میر صاحب ان دنوں دہلی میں تھے اور مہاراجہ کے علاج کے لئے انہیں بلایا گیا تھا۔

عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ ہر موقعہ پر دعائیں کرتے ہیں۔ چنانچہ جنگ میں بھی دعائیں کرتے رہے ہیں اور کثرت سے دعائیں کرتے رہے ہیں۔ کوئی مرد۔ کوئی عورت اور کوئی بچہ ایسا نہ تھا کہ دعا نہ کرتا ہو۔ غریب امیر سب دعائیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے امراء اور روساء بھی دعائیں کرتے تھے۔ وزیراعظم تک دعاؤں پر زور دیتے تھے اور گرجوں میں اگر جگہ نہ ہوتی تو لوگ گھروں میں دعائیں کرتے تھے اور دعا کرنے والوں کی کثرت سے ان کا گھر گھر گرجا بنا ہوا تھا۔ ان دعاؤں میں وہ عجزوانکسار سے کام لیتے تھے اور پھر انہیں یہ یقین بھی ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے۔ یہ ایمان اور امید بھی ہوتی تھی کہ خدا ہمارے لئے سب کچھ کرے گا۔

لیکن مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ جہاں ان میں کوئی تعلیم یافتہ ہوا فوراً" عجز چھوڑ دیا اور کبروغرور اس میں آگیا اور یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ ہم اپنی قوت اور زور بازو سے سب کچھ کر سکتے ہیں مگر ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہو جاتا اور اپنی قوت اور زور بازو سے بھی کچھ نہ کرسکتے۔

ابھی چند دن ہوئے ہیں جب لاہور میں مجھ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی تباہی کا موجب کیا ہے تو میں نے یہی جواب دیا تھا کہ اس تباہی کا موجب آپ لوگوں کی اپنی بزدلی ہے آپ لوگوں نے خلافت کے شور کے دنوں میں بزدلی سے مولویوں کو اس لئے اپنے ساتھ ملایا کہ ہم شائد عام لوگوں تک نہ پہنچ سکیں۔ اس وجہ سے آپ لوگوں نے کہا چلو مولویوں کو ساتھ ملائیں۔ مگر یہ ایک غلطی تھی۔ کیونکہ سیاسی کاموں میں جب مولویوں کا دخل ہو گیا تو انہوں نے اپنی چلانی شروع کر دی۔ اسی طرح یہ بھی ایک غلطی تھی کہ تم نے ایک سیاسی مسئلے کو زبردستی مذہبی مسئلہ بنا دیا اور پھر اسے بھی کم ہمتی سے نبھا نہ سکے۔ چونکہ مسلمانوں میں استقلال نہیں اس لئے اب بھی وہ جن کاموں کو کرنا چاہتے ہیں کچھ دیر کر کے پھر ڈھیلے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دعاؤں میں بھی ان کا یہی حال ہے۔ کچھ دن دعا کریں گے اور پھر اسے چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے۔ حالانکہ وہ اس بات سے واقف نہیں ہوتے کہ اگر وہ ایک بار اور دعا کرتے تو شاید وہ کام ہو جاتا جس کے لئے دعائیں کر رہے تھے اور جسے استقلال کے نہ ہونے سے انہوں نے چھوڑ دیا۔ ان کو کیا معلوم ہے کہ کسی کام کے لئے کس قدر دعا کی ضرورت ہے۔ اس کا علم تو صحیح طور پر خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ ہاں ان کا یہ کام ہے کہ وہ دعا کرتے چلے جائیں اور اس وقت تک نہ چھوڑیں۔ جب تک کہ وہ بات ہو نہ جائے مگر یہ بات استقلال سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور استقلال مسلمانوں میں ہے نہیں۔

پھر عام تدابیر تھیں۔ ان میں بھی مسلمان ہندوؤں اور تمام دوسری قوموں سے پیچھے ہیں۔ تعلیم

میں بھی پیچھے ہیں۔ Organization یعنی نظام و تنظیم میں بھی پیچھے ہیں۔ ہندوؤں نے جو نظام قائم کیا ہے برابر اس پر قائم ہیں۔ مسلمان مجسٹریٹوں پر رشوت وغیرہ کے مقدمات بنا کر نکلوا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے نقصان جان و مال کے لئے ہر ضلع میں ان کی کمیٹیاں ہیں۔ مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانے کے لئے انہوں نے باقاعدہ گروہ بنائے ہوئے ہیں اور جب وہ کوئی نقصان مسلمانوں کو پہنچاتے ہیں تو مسلمان کچھ دیر کے لئے تلملاتے ہیں اور پھر سو جاتے ہیں۔ ہر محکمہ میں انہوں نے ایک ایک کمیٹی بنائی ہوئی ہے۔ اور وہ ہر طرح کوشش کرکے مسلمانوں کو نکلوا دیتے ہیں اور پہلے ہی سوچ رکھتے ہیں کہ اگر یہ جگہ خالی ہو گئی تو میں اپنے فلاں رشتہ دار کو اس جگہ لے آؤں گا۔ پھر انہوں نے یہ انتظام بھی کیا ہوا ہے کہ اگر محکمہ کا کوئی ایک آدمی بھی مسلمان کے برخلاف آواز اٹھائے تو سب طرف سے وہی آواز اٹھنے لگتی ہے۔ اور اس انتظام کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جس شخص کے برخلاف یہ آواز اٹھائی گئی۔ وہ آواز سچی ہو یا جھوٹی۔ وہ بدنام ہو جاتا ہے۔ بدنام ہونا تو ادنیٰ سی بات ہے وہ وہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ یہ عام لوگوں ہی کی عادت نہیں۔ بلکہ ہندوؤں کے ان لوگوں کی بھی یہی عادت ہے جو بظاہر صلح کن نظر آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے سچے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ پھر اس طبقہ میں بھی یہ بات عام طور پر پائی جاتی ہے جو تعلیم یافتہ طبقہ کہلاتا ہے۔ ایک ہندو مجسٹریٹ قانون کے اندر رہ کر بلکہ بعض اوقات قانون کی پابندی کو توڑ کر بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچاتا ہے اور وہ اس بات کی پرواہ نہیں رکھتا کہ اسے کیا کہا جائے گا۔ لیکن ایک مسلمان مجسٹریٹ ایسا نہیں کرتا۔ ایک ہندو کے بالمقابل ایک مسلمان کے فوائد کو مدنظر رکھنا تو الگ رہا۔ وہ الٹا مسلمانوں کو بلاوجہ تکلیف دیتا ہے اور نقصان پہنچاتا ہے اور ایسا کرنے میں اس کی یہ غرض ہوتی ہے کہ اسے بے تعصب کہا جائے۔ پھر بعض وقت وہ ڈر کے مارے بھی ایسا کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو ہندو میرے مخالف ہو جائیں گے اور پھر شائد مجھے یہاں سے نکلوا دیں۔ پس یہ وجہ ہے کہ مسلمان ہر جگہ نقصان میں رہتے ہیں اور جو تدبیر بھی وہ کرتے ہیں اس میں ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو انہیں تدبیریں کرنا آتا ہی نہیں اور اگر آتا ہے تو ان پر کاربند ہونا نہیں آتا یہ سب باتیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کی مشکلات اور تباہی کا باعث ہو رہی ہیں۔

یہ لوگ ہمیں پاگل سمجھیں یا بیوقوف مگر بات سچی یہی ہے کہ جب تک یہ اس زمانہ کے مامور پر ایمان نہیں لائیں گے ہرگز ترقی نہ کر سکیں گے۔ وہ ہمیں کہتے ہیں تم ہر بات پر یہ کہتے ہو کہ اس زمانہ کے مامور پر ایمان لائے بغیر کچھ نہیں ہو گا۔ یہ ان کا ہم پر اعتراض ہوتا ہے مگر ہم پوچھتے ہیں۔

کوئی ہمیں بتائے کبھی مامور کے بغیر دنیا میں کسی نے ترقی کی۔ مامور کے بغیر تو ترقی ہوتی ہی نہیں۔ ہم پاگل ہی سہی مگر سوچو تو سہی ہمیں کس بات کے لئے پاگل کہا جا رہا ہے۔ ہمیں جس بات کے لئے پاگل کہا جا رہا ہے وہ وہی ہے جس کے لئے آنحضرت ﷺ کو پاگل کہا گیا جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پاگل کہا گیا۔ مگر کیا ان دونوں نے لوگوں کے پاگل کہنے پر اس بات کو چھوڑ دیا تھا جس کی بناء پر وہ پاگل کہے جاتے تھے اور اس بات پر راضی ہو گئے تھے کہ ہماری قوم بیشک تباہ ہو جائے مگر لوگ ہمیں پاگل نہ کہیں۔ ہرگز انہوں نے ایسا نہ کیا۔ تو یہ بات ایمان سے ہی حاصل ہوتی ہے اور بغیر کامل ایمان کے دعا بھی نہیں سنی جاتی۔ اور کامل ایمان ہو نہیں سکتا جب تک مامور پر ایمان نہ لایا جائے اور اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جب تک ان پر ایمان نہ لایا جائے گا۔ نہ یہ بات حاصل ہوگی۔ نہ مسلمان ان تکلیفوں اور ذلتوں سے مخلصی پائیں گے۔ امید بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے سے ہوگی۔ آخر وہاں سے ہی کسی کو امید پیدا ہو سکتی ہے جہاں سے کسی کو کچھ ملتا ہو۔ اگر ایک قلعہ بند کا بند پڑا ہو اور وہاں سے کسی کو کچھ ملتا نہ ہو تو کوئی عقلمند وہاں نہیں جائے گا اور نہ ہی اسے یہ امید پیدا ہو گی کہ مجھے وہاں سے کچھ مل سکتا ہے۔ اگر ایک کو ایک جگہ سے کچھ مل جائے تو دوسرا بھی امید لے کے وہاں جا بیٹھتا ہے۔ جہاں سے کسی کو کچھ ملے وہاں ہی کے متعلق کسی کو امید بھی ہو سکتی ہے۔ اور اب جس شخص نے کچھ پایا وہ اس زمانہ کا مامور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اور جہاں سے پایا وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس امید بھی تب ہی پیدا ہوگی جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لایا جائے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ایک وہ ہستی ہے جنھوں نے خدا پر یقین و ایمان رکھا۔ امید رکھی اور دعا کر کے سب کچھ لیا۔ اور دنیا کو دکھا دیا کہ وہ قلعہ جسے لوگوں نے بند سمجھا اور بند کر دیا۔ وہ بند نہیں تھا کھلا تھا۔ چونکہ وہی مامور زمانہ ہیں اور خدا نے اپنی طرف سے ان کو کھڑا کیا ہے اس لئے ان پر ایمان لانے سے ہی فلاح اور کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ رہا عجز و انکسار۔ سو عجز و انکسار بھی ایسی ہستیوں کے ہی سامنے پیدا ہوتا ہے جن کی طاقتوں کا اظہار لوگوں پر ہوا ہو۔ اور ایسی ہستی بجز خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ خدا کی طاقتوں کا اظہار تو ہر زمانہ میں ہوتا ہے اور اس زمانہ میں بھی ہو رہا ہے۔ مگر جب لوگوں نے اس پر سے ایمان اٹھا لیا اور ہر قسم کا یقین چھوڑ دیا اور ناامید ہو گئے تو حضرت مسیح موعود نے ان سب باتوں پر عمل کر کے بتا دیا کہ جس کو تم چھوڑ رہے ہو وہی تو ہے جس کے ساتھ تم رہو گے تو کامیاب ہو سکو گے۔ اسی طرح استقلال

ہے وہ بھی حضرت مسیح موعود پر ایمان لانے سے پیدا ہوتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں احمدیوں کو سیاست سے کیا تعلق۔ جو لوگ ریلوے سٹیشن سے دور ایک گاؤں کے رہنے والے ہوں اور سیاسی معاملوں میں اتنا دخل بھی نہ دیتے ہوں۔ کسی سیاسی جماعت کے ساتھ تعلق بھی نہ رکھتے ہوں۔ بھلا ان کو سیاسی امور کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ یہ سچ ہے ہم سیاست سے تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی ہم ایسی کتابیں پڑھتے ہیں جن میں سیاسی امور پر بحث کی گئی ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے ہم ریل سے پرے بیٹھنے والے لوگ ہیں اور ہمیں جیساکہ وہ کہتے ہیں۔ سیاسی معاملات کی اس قدر خبر نہیں ہو سکتی جتنی کہ ان کو جو ریل کے سر پر بیٹھنے والے ہیں مگر باوجود ان باتوں کے بات وہی صحیح ہوتی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ خلافت کی تحریک کے دنوں میں جن مطالبات کو میں نے کہا کہ انہیں پیش کیا جائے۔ ان کو اس وقت ٹال دیا گیا لیکن بعد میں ترکوں نے وہی مطالبات کئے اور سر مو فرق نہ کیا۔ ان کی کمیٹیاں بیٹھیں اور ان کے سیاسی مدبر بڑی سوچ بچار کے بعد آخر انہیں مطالبات کے پیش کرنے پر آئے جن کے پیش کرنے کا ایک عرصہ پہلے میں نے مشورہ دیا تھا۔ پھر ہجرت کا واقعہ پیش ہوا۔ اس میں بھی میں نے صلاح دی اور اس کے بھی نفع و نقصان سے آگاہ کیا مگر اس پر بھی اس وقت توجہ نہ کی گئی اور آخر میرے بتائے ہوئے نقصانات ان کو برداشت کرنے پڑے۔ پھر ہندو مسلم اتحاد کا شور پڑا اس میں بھی میں نے جو تجاویز بتائیں اس وقت تو ان پر ہنس دیا گیا لیکن آخر آج یہ لوگ خود ہی چلا اٹھے کہ اگر ہندوؤں وغیرہ سے اتحاد ہو سکتا ہے تو ان شرائط پر اور ان تجاویز پر۔ اور وہ شرائط اور وہ تجاویز کیا تھیں؟ وہی تھیں جو میں نے پہلے ہی بتا دیں۔ پھر نان کوآپریشن (Non-co-Opration) کی آواز اٹھی۔ میں نے اس کے متعلق بھی کچھ مشورہ دیا مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دوسرے موقعوں کی طرح اس موقعہ پر بھی جو کچھ میں نے کہا وہ انہوں نے نہ مانا اور گو اس کو نہ ماننے کا نتیجہ ان کو تکلیف دہ صورت میں بھگتنا پڑا لیکن آخر کار وہی ہوا جو میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ اسی طرح تقریباً" تمام پیش آمدہ تحریکات اور حالات پر میں نے مشورہ دیا مگر انہوں نے نہ مانا اور گو اس وقت تو نہ مانا مگر جب وقت نکل جاتا رہا پھر اس کو مانا۔ اس سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہماری رائے مذہب کی طرح سیاست میں بھی صائب ہوتی ہے۔ جب ہم ریل کے سٹیشن سے دور ایک گاؤں میں بیٹھنے والے ہیں۔ جب ہم سیاسی مجلسوں سے تعلق رکھنے والے نہیں۔ جب ہم ان کتابوں کو نہیں پڑھتے جن میں سیاسی بحث ہوتی ہے۔ اور جب ہم سیاسی امور سے اس قدر واقف بھی نہیں جس قدر کہ وہ لوگ خود ہیں۔ پھر ہم وقت پر اگر کوئی صلاح دیں اور مشورہ بتائیں اور وہ صلاح اور

مشورہ بعد میں صحیح اور درست ثابت ہو۔ تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان معاملوں میں خدا تعالیٰ ہماری رہبری کرتا ہے۔ اور ہمیں صحیح رائے دینے اور مفید مشورہ بتانے کے لئے خود اپنے فضل سے سکھلاتا ہے۔ پس جب یہ حال ہے تو کیا ان لوگوں کا جو کہ صحیح مشورہ نہ بتائے جانے کے سبب پے در پے تکلیفوں برداشت کر رہے ہیں یہ فرض نہیں کہ وہ ان تکلیفوں سے نجات پانے کے لئے ہماری باتوں کی طرف پوری توجہ کریں اور وقت پر ان کو زیر عمل لا کر اپنی حفاظت کریں۔

انہیں مشوروں میں میں نے مسلمانوں کے سامنے یہ بات بھی پیش کی تھی کہ ایک لیگ آف مسلم نیشن ہونی چاہئے مگر مسلمانوں نے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ قادیان سے اٹھنے والی ہر بات کی مخالفت کی جائے قطع نظر اس سے کہ وہ مفید ہو یا غیر مفید اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور میری اس تجویز کو جو سراسر مسلمانوں کے فائدے کے لئے تھی نہ مانا مگر آج وہ دن ہے کہ چاروں طرف سے مجبور ہو کر وہ اسی طرف جا رہے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک متحدہ لیگ ہونی چاہئے۔ جس میں تمام اسلامی فرقوں کو شریک ہونا چاہئے۔ گو ابھی پوری طرح ادھر رخ نہیں ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ جا اسی طرف رہے ہیں۔

لاہور میں میں نے بریڈلا ہال میں ایک دفعہ تقریر کی تھی۔ اس میں میں نے ہندو مسلم اتحاد کے متعلق بیان کیا کہ یہ اتحاد ہو نہیں سکتا جب تک حقوق کا تصفیہ نہ ہو جائے اور جب تک پہلے ایک دوسرے کی شکایات نہ سنی جائیں پھر ان کے دور کرنے کی تجویزیں نہ سوچی جائیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے گا اور صرف اتحاد پر زور دیا جائے گا تو یہ اتحاد نہ ہو گا۔ میں نے وہاں یہ مثال بھی دی تھی کہ دو زمیندار جن کا کسی منڈیر پر جھگڑا ہو جائے اور وہ از خود یا کسی تیسرے شخص کے سمجھانے سے جھگڑا بند کر دیں اور ہر ایک ان میں سے دوسرے کا بھائی بن جائے اور وہ اس صفائی کے بعد جھگڑے کے خیال سے رو بھی پڑیں مگر ہر ایک ان میں سے یہ سمجھ کر پھر دل کو تسلی دے لے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا اس منڈیر کو چھوڑ دے گا تو جس دن ایک ان میں سے ہل چلانے جائے گا ان کی آپس میں سر پھٹول ہو جائے گی کیونکہ ہر ایک ان میں سے یہ سمجھ رہا تھا کہ شائد دوسرے نے چھوڑ دیا ہے۔ اور جب پھر ان میں صفائی کی کوشش کی جائے گی تو ہر ایک ان میں سے یہی کہے گا کہ میں نے یہی سمجھا تھا کہ شائد یہ اسے چھوڑ دے گا۔ میں نے اس وقت اس مثال کے بتانے کے بعد کہا تھا جب تک تصفیہ حقوق نہ کر لوگے صلح کام نہ آئے گی اور جب تقسیم دولت کا وقت آئے گا تو پھر شکایات ہوں گی اور پھر وہی جھگڑا ہو گا۔ لیکن میرے اس مشورہ پر جو عین وقت پر دیا گیا غور نہ کیا گیا۔ اور اور

ہی طریق سے صلح کرتے رہے۔ اور اتحاد کے لئے کوشش کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ گو جو صلح اور اتحاد انہوں نے کیا اسے صلح اور اتحاد تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن چونکہ وہ اسے صلح اور اتحاد کا نام دیتے تھے اس لئے میں بھی کہتا ہوں کہ انہوں نے بغیر تصفیہ حقوق کرنے کے صلح کر لی۔ لیکن جب وقت آیا تو وہی منڈیر والا قصہ ہوا اور وہی جنگ برپا ہو گئی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم نہ تو سیاسی کتابیں پڑھتے ہیں۔ نہ ہم سیاسی مجالس میں شرکت حاصل کرتے ہیں۔ اور نہ یہ باتیں جو ہم کہتے ہیں ہمارے غور فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ باتیں ہمیں خدا سمجھاتا ہے اور جو باتیں وہ ہمیں سمجھاتا ہے اور اس کے سمجھانے کے بعد جو باتیں ہم کہتے ہیں وہی اکثر پوری ہوتی ہیں۔ اس وقت تو لوگ ان کو نہیں مانتے لیکن بعد ازاں وقت آتا ہے جب زبان سے تو نہیں افعال اور خیال سے انہیں ماننا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اب تو کہیں کہیں زبان سے بھی ماننا شروع کر دیتے ہیں۔ پس یہ ٹھیک اور بالکل ٹھیک ہے کہ ایسی باتیں ہمیں خدا سکھلاتا ہے۔ اور اسی کے سکھلائے ہوئے علم کے ماتحت ہم دنیا کو بتاتے ہیں۔

میں جب ولایت گیا تو وہاں میں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ ہندوستان کی ترقی زراعت سے ہو سکتی ہے۔ گورنمنٹ کہہ تو دیتی ہے کہ یہ زرعی ملک ہے اور زراعت سے اسے ترقی ہو گی مگر کرتی کچھ نہیں۔ پھر وہ جن افسروں کو اس ترقی کے لئے وہاں بھیجتی ہے وہ ایسے ہوتے ہیں کہ عام تو الگ رہے خاص لوگ بھی ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ گورداسپور میں میں نے دیکھا کہ ایک ڈپٹی تھے وہ مجھے وہاں کے فارم دکھاتے رہے۔ میں نے دیکھا جب وہ آتے تو زمیندار صف باندھ کر سڑک کے کنارے کھڑے ہو جاتے اور آداب بجا لاتے۔ میں نے کہا ڈپٹی صاحب آئے تو اس لئے ہیں کہ ان لوگوں کو زراعت کی ترقی کے راز بتائیں مگر حال یہ ہے کہ زمیندار ان سے ڈر کے مارے بات بھی نہیں کر سکتے۔ تو میں نے کہا تھا گورنمنٹ کو ایسے افسروں کی بجائے ایسے افسر اس ملک میں بھیجنے چاہئیں جن سے اس ملک کے باشندے فائدہ حاصل کر سکیں اور اپنے ملک کی زراعت کو ترقی دے سکیں۔ اس وقت اس تجویز کو اتنی اہمیت نہ دی گئی لیکن اب دو سال بعد گورنمنٹ اس بات کی طرف جھکی ہے اور ایک کمیشن بٹھایا ہے جس نے اپنی رپورٹ میں یہی کہا ہے جو میں نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔ حتیٰ کہ وزیر ہند نے بھی اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اس ملک کے لئے ایسے افسر مقرر کئے جائیں جن سے رعایا فائدہ حاصل کر سکے اور اس ملک کی زراعت کو ترقی ہو سکے۔

غرض جو جو تدبیریں میں نے بتائی تھیں وہی آخر درست ثابت ہوئیں۔ پس صحیح تدبیر بھی خدا

ایمان لانے سے ہی سوجھتی ہے۔ کوئی شخص اگر مسلمان ہو کر تدابیر اختیار کرنا چھوڑتا ہے تو وہ ذلیل ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ تو تدبیریں اختیار کرتے ہیں اور کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اختیار نہ بھی کریں تو ان پر اتنا گلہ نہیں جتنا مسلمانوں پر ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ غفلت عام طور پر مسلمانوں پر طاری ہے الا ماشاء اللہ سوائے چند لوگوں کے کہ وہ غلط تدبیریں ہوں یا صحیح کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ اور درحقیقت وہی ہیں جو اس وقت تک قوم کا سہارا ہیں۔ اور انہیں کے سبب کلا نمدھٰولاءوھٰولاءمن عطاء ربک (بنی اسرائیل ۲۱) ان کی مدد بھی ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کی دعائیں بھی الٹ ہی پڑ رہی ہیں جس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب تک ان کی دعائیں سیدھی نہ پڑیں گی کبھی گورنمنٹ سے مارے جائیں گے کبھی ہندوؤں سے۔ اور دعائیں سیدھی پڑ نہیں سکتیں جب تک انہیں خدا پر حقیقی ایمان نہ ہو۔ حقیقی یقین نہ ہو۔ امید نہ ہو۔ عجزوانکسار نہ ہو۔ اور یہ باتیں حاصل ہو نہیں سکتیں جب تک اس زمانے کے مامور کو جسے خدا نے اس زمانہ کی اصلاح اور فلاح کے لئے مقرر کیا ہے۔ مانا نہ جائے۔ اور اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی اور ہے نہیں۔ پس جب تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ مانا جائے گا نہ یہ باتیں حقیقی طور پر ان میں پیدا ہوں گی اور نہ وہ ذلت سے نکلیں گے۔

اگرچہ مسلمان اپنی غفلت سے ذلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ تاہم وہ قابل رحم حالت میں ہیں اور ان کی حالت کو بھی درست کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ پس میں ان کے لئے بھی اور ساری دنیا کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ ساری دنیا کے لوگ ہی ہمارے بھائی ہیں۔ خدا ان پر رحم فرمائے اور ان کو اس حالت سے نکالے۔ لیکن مسلمان تمام دنیا سے ہمارے نزدیک ہیں۔ کیونکہ جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتے ہیں وہ ہمارے بہت قریب ہیں۔ پس وہ ہمارے قریبی بھائی ہیں۔ اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ان کی مشکلات کو دور فرمائے تاکہ وہ بھی اس کے فضلوں کے اسی طرح وارث ہوں جس طرح احمدی جماعت وارث ہے۔

میں آج نماز جمعہ کے بعد مدد خان صاحب کی لڑکی آمنہ بیگم کا جنازہ پڑھاؤں گا۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب انسپکٹر مدارس یوپی کو بہت لوگ جانتے ہیں۔ پہلے تو وہ بہت قادیان آیا کرتے تھے۔ مگر اب کم آتے ہیں۔ آمنہ بیگم ان کی بیوی تھی۔ جو یوپی میں فوت ہوئی ہے۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ وہ اکیلے ہی اس کا جنازہ پڑھنے والے تھے۔ پس احباب کو چاہئے کہ وہ میرے ساتھ اس نماز جنازہ میں شریک ہوں۔

(الفضل ۶ جولائی ۱۹۲۶ء)